(غلام گردش)

چونسٹھ بلین ڈالر اور بیس آدمی

بیت الحمر سینائی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ کچے مکان، غربت، کسی قسم کی تعلیمی اور صحت کی سہولت سے بے نیاز یہ گاؤں، دراصل ادنیٰ کسانوں کی آماجگاہ ہے۔ ستر برس سے ایک ہی ڈگر پر چلتا ہوا قصبہ۔ ترقی سے کوسوں دور۔ اس گاؤں میں علی عبداللہ صالح 1942 میں پیدا ہوا۔ بدقسمتی سے ابھی بچہ ہی تھا کہ والد لقمہِ اَجل بن گیا۔ والدہ نے بے بسی بلکہ بے کسی میں خاوند کے بھائی سے عقد ثانی کیا۔ صالح کو سوتیلا باپ مل گیا اور کافی حد تک ترقی کرنے کے مواقع بھی۔ آگے جو کچھ ہوا، وہ ایک داستان طلسم ہوشربا ہے۔ یقین نہ آنے والی کہانی۔ مگر سچی اور حقیقت پر مبنی۔

صالح فوج میں بھرتی ہو گیا۔ 1958 کا دورانیہ تھا۔ غربت میں پلنے والے نوجوان کو صرف ایک کام آتا تھا۔ ناجائز پیسہ کمانا اور طاقت کے مرکز کے نزدیک رہنا۔ صرف بیس برس کے قلیل عرصے میں صالح نے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اسے اہم سے اہم ترین کر سکتا تھا۔ 1978 میں صالح یمن کا صدر بن چکا تھا۔ یہ عہدہ اسے پارلیمنٹ نے دیا تھا۔ وہ بیک وقت فوج کا سربراہ بھی تھا اور ملک کا صدر بھی۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو تیسری دنیا کے ہر ملک کی قسمت میں کہیں نہ کہیں درج ہے۔ ہمارے ملک میں یہ سب کچھ بارہا ہو چکا ہے۔ دانش ور کہتے ہیں کہ اب دوبارہ نہیں ہو سکتا۔ مگر ہمارے ملک کا کمال یہ ہے کہ یہاں ہر نہ ہونے والا کام، انصاف، میرٹ اور احتساب کی آڑ میں کیا جا سکتا ہے۔ کمال یہ بھی ہے کہ سیاسی پنڈت بھی اسی فارمولے سے اپنے سیاسی دشمنوں کو کچلتے ہیں جنہیں وہ پیار سے فوجی آمرانہ دور کی آلائش کہتے ہیں۔ دراصل کھیل میں سب سے بڑا اُصول طاقت کے گھوڑے پر سوار رہنا ہے۔ اس میں کسی سیاسی، مذہبی، سماجی یا اقتصادی فلسفہ کا کوئی عمل دخل نہیں۔ علی عبداللہ صالح اقتدار میں رہنے کے تمام اصول جوانی ہی میں سیکھ چکا تھا۔ اقتدار میں آتے ہی اس نے ہر وہ حرکت کی جو اسکی حکومت کو دوام بخش سکتی تھی۔ شک ہوا کہ فوج میں چند افسر اسے ناپسند کرتے ہیں۔ نوجوان افسر چاہتے ہیں کہ ملک میں ایک منصفانہ نظام ہو جس میں عام لوگوں کی رائے کو بھی اہمیت حاصل ہو۔ مگر علی عبداللہ صالح کمال تخریب کار ذہنیت کا حامل تھا۔ بڑی خاموشی سے نوجوان فوجی افسروں کو بڑے پیار سے بلایا گیا۔ ان تمام کو ایک دم کسی مقدمہ کے بغیر پھانسی دیدی گئی۔ نہ کوئی عدالت، نہ کوئی جج، نہ کوئی وکیل اور نہ کوئی کاروائی۔ اگر غور کریں تو موجودہ ترکی صدر اُردگان بھی مکمل طور پر علی عبداللہ صالح کی طرح کام کر رہے ہیں۔ گولن تحریک میں شمولیت کے شبہہ میں ہر متضاد آواز کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ کون سا قانون اور کون سے انسانی حقوق۔ سب خوبصورت الفاظ یا جملے ہیں۔ مقصد ہر ایک کا صرف ایک ہے، کہ میرا اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قائم رہے۔ ویسے تاریخی تجزیہ یہ بھی ہے کہ منفی حربوں سے کام لینے والے حکمران، عوام کو اکثر بیوقوف بنانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ خصوصاً مسلمان ممالک میں تو ایک بھی انچ پر جمہوریت یا انسانی حقوق کی بالادستی کے اصول کی حکومت نہیں۔ یہ محض اتفاق نہیں۔ یہ وقت ہے کہ ہمارے غیر متعصب دانشوروں کو حکومت اور دینی اُصولوں میں کہیں نہ کہیں تفریق کرنی چاہیے۔ ترقی کے نمائندہ اصول اپنے معاشرتی احوال کے مطابق اختیار کر کے لوگوں کیلئے خوش حالی کے دروازے کھول دینے چاہیے۔ یہ بات طے ہے کہ آج بھی تمام مسلمان

ممالک میں صرف اور صرف حکمران امیر نہیں بلکہ امیر ترین ہیں اور عوام بھیڑ بکریوں کی طرح بوسیدہ روایات اور حکایتوں پر زندہ ہیں۔

علی عبداللہ صالح کسی سیاسی یا صنعتی خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ نہ ہی اسکا اپنا قبیلہ کسی ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ مگر اسے دولت کا درست استعمال آتا تھا۔ وہ استعمال جو یوکے کی وزیراعظم، جرمنی کی چانسلر اور فرانس کے صدر کے خواب میں نہیں آسکتا۔ یہی کمال ہے مگر یہی اصل زوال ہے۔ صالح کے سات بھائی تھے۔ صالح نے ملک کے تمام اہم اداروں کے سربراہ اپنے بھائی لگا دیے۔ معاشی، فوجی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی طاقت اپنے خاندان میں تقسیم کردی۔ جیسے جیسے وقت گزرنے لگا، اپنے بیٹوں، بیٹیوں، دامادوں، بھتیجوں اور بھتیجیوں کی ایک حکمران نسل بنا ڈالی۔ اوپر سے نیچے تک صالح خاندان سے منسلک لوگ ہر کلیدی پوسٹ پر قابض ہو گئے۔ نیویارک ٹائمز کے محقق رابرٹ فورتھ کے مطابق یمن کا پورا نظام دنیا کی تاریخ کی خطرناک ترین خاندانی مافیا کے قبضے میں چلا گیا۔ یہ سلسلہ تیس سال قیامت کی رفتار سے جاری رہا۔ یمن میں کرپشن اس درجہ بڑھ گئی بلکہ ایک نظام بن گئی کہ تمام یورپی ممالک نے اسکے خلاف آواز اُٹھانی شروع کردی۔ برطانوی سفیر جین میریٹ نے سرِ عام کہہ دیا کہ یمن کو اصل خطرہ خانہ جنگی سے نہیں بلکہ مہیب کرپشن سے ہے۔ آپ اس آفت کی ذرخیزی کا اندازہ لگائیں کہ ورلڈ بینک نے 2008 میں یمن کو انسانی ترقی اور بہبود کیلئے قرضہ دیا۔ صدر کے بیٹے احمد علی صالح نے اس تمام قرضہ کو "شیام ہولڈنگ کمپنی" میں لگا دیا جو ملک میں پراپرٹی کا کام کرتی تھی۔ اس قرضہ سے جو کمپنی کھڑی کی گئی، اسکا مالک یا چوکیدار یا چور، علی عبداللہ کا بیٹا احمد علی صالح تھا۔ کرپشن انڈکس کے مطابق یمن دنیا کے کرپٹ ترین ممالک میں اول نمبر پر آچکا تھا۔ پورے یمن میں ایک لفظ کو تقویت دی گئی۔ یہ لفظ "واسطہ" تھا۔ پورے ملک کی تمام نوکریاں اس "واسطے" کے ذریعے نیلام کی جاتی تھیں۔ یہ دراصل لوٹ مار کا وہ ہیبت ناک نظام بن گیا جسکی بدولت ملک سے انصاف اور میرٹ کا نظام ختم کردیا گیا۔ ویسے دیکھا جائے تو یہ نظام دنیا کے تمام مسلمان ممالک میں کسی نہ کسی شکل میں قائم ودائم ہے۔ ہمارے جیسے ہر ملک میں تقریباً تمام اہم کلیدی عہدے، نوکریاں اور پوزیشن "واسطے" سے ہی ملتی ہیں۔ تلخ بات نہیں کرنا چاہتا مگر ہمارے اپنے پیارے ملک میں بھی رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ پیسے دیے بغیر قبرستان تک میں اپنے پیاروں کو دفنانے کی مناسب جگہ نہیں ملتی۔ مگر حیرت ہے کہ کافر دنیا میں اکثریت بلکہ بیشتر کام میرٹ پر سرانجام دیے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک سے مایوس لوگ جب امریکہ اور برطانیہ ہجرت کرتے ہیں تو وہاں ایک صاف ستھرے نظام کے تحت کمال بلندی پر پہنچ جاتے ہیں۔ اگر امریکہ میں ہو تو "شاہد خان" نظر آتا ہے اور اگر لندن یا کینیڈا میں ہوں تو طاقت کے ہر سرچشمہ پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ فرق صرف اور صرف "واسطے" کا ہے جو یمن میں صالح نے کمال عیاری سے "نظام زندگی" بنا ڈالا۔

معاملہ یہاں نہیں رُکتا۔ صالح کے وسیع وعریض خاندان نے پورے ملک کی تجارت پر قبضہ کرلیا۔ ہر کاروبار، خرید وفروخت یعنی تمام ملکی لین دین صرف اور صرف ایک خاندان کی مٹھی میں چلا گیا۔ "چیٹم ہاؤس" کے متعلق ہمارے ملک میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ لندن میں موجود سو سال سے زیادہ عمر کا یہ چیٹم ہاؤس دنیا کے تمام ممالک کے معاملات بڑی گہرائی سے جانچتا ہے۔ یہ بین الاقوامی خلفشار میں ایک فورم بھی مہیا کرتا ہے جہاں متحارب حریف بیٹھ کر اپنے سنگین ترین مسائل حل کرسکے۔ "چیٹم ہاؤس" نے یمن کے متعلق رپورٹ میں کہا کہ پورے ملک کا اقتصادی نظام صرف اور صرف آٹھ خاندانوں کے ہاتھ میں آچکا ہے۔ پھر وہی ہوا جو یمن یا ہمارے جیسے

ملکوں میں ہوتا ہے۔صالح نے اپنی طاقت اور پیسے کے زور پر ایک مکمل اشرافیہ ترتیب دی۔اس میں پہلی شرط صرف اور صرف حکمران خاندان سے وفاداری تھی۔اس اشرافیہ کو مرتب کرنے کے بعد علی عبداللہ صالح اب ایک شہنشاہ تھا۔عدالتیں،فوج،انتظامیہ،پارلیمنٹ اور خواص اسکے پاؤں کے انگھوٹھے کے نیچے تھے۔عوام کی برباد حالت کا ذکر کیا کرنا،وہ تو تمام کرپٹ معاشروں میں یکساں ہے۔"ورلڈ فوڈ پروگرام" کے مطابق یمن کی پچاس فیصد آبادی قحط کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔انہیں کھانا ہفتہ میں ایک یا حد دو بار نصیب ہوتا تھا۔وہ بھی بین الاقوامی امدای اداروں کے توسط سے۔مقامی انتظامیہ کو کوئی فکر نہیں تھی کہ انکے علاقے میں لوگ بھوک اور بیماری سے کیڑے مکوڑوں کی طرح مر رہے ہیں۔مقامی اور ملکی اشرافیہ بڑے بڑے محلات میں رہتی تھی۔درجنوں نوکر چاکر،کنیزوں اور ہر آسائش کے ساتھ بھرپور زندگی گزار رہے تھے۔بھوک،غربت،جہالت سے کبھی ملک کے ایک حصے میں فسادات پھوٹ پڑتے تھے،کبھی دوسرے حصے میں۔مگر صالح کا خاندان اور اس سے جڑی ہوئی اشرافیہ چین کی بانسری بجا رہی تھی۔تھوڑے عرصے کے بعد صالح نے اپنے آپکو "فیلڈ مارشل" کا عہدہ دیدیا۔ملک میں جمہوریت لفظی حد تک اور بہتر ہوگئی۔مگر عام لوگوں میں اشرافیہ کے خلاف نفرت آگ بنکر باہر نکلنے لگی۔صالح نے کئی الیکشن کروائے۔اسکی جماعت ہر الیکشن میں ووٹ خرید کر اور دھاندلی کے تمام طریقے استعمال کر کے بڑے معتبر طریقے سے الیکشن جیت لیتے تھے۔پھر جمہوریت کا راگ درباری الاپنا شروع کر دیتے تھے۔پورے ملک میں صالح نے انتشار اور خانہ جنگی برپا کروادی مگر اقتدار نہ چھوڑا۔بین الاقوامی قوتوں کے زیر اثر 2012 میں اسے اقتدار سے باہر نکال دیا گیا۔حالیہ خانہ جنگی میں وہ ھوثیوں کے ساتھ مل گیا اور اپنے پرانے حلیف سعودی عرب سے لڑنا شروع کر ڈالا۔چند ماہ پہلے پھر قلابازی کھائی اور پرانے حلیفوں سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ایک ہفتہ قبل،یمن کے سابقہ صدر کو بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔اقوام متحدہ جیسے مستند ادارے کے مطابق صالح نے یمن سے چونسٹھ بلین ڈالر چوری کیے۔اس نے دنیا کے اٹھارہ مغربی ممالک میں سرمایہ کاری کی۔اسکا سالانہ نفع دو بلین ڈالر تھا۔اپنے ملک کی دولت لوٹ کر دنیا کا پانچواں امیر ترین آدمی بن گیا۔تین دن قبل علی صالح کی تدفین ہوئی۔اسکے جنازہ میں صرف اور صرف بیس لوگ تھے۔مغربی ممالک اسکی جائیداد کو یا تو منجمد کر چکے ہیں یا اسکے خاندان کو مقدمات کا سامنا ہے۔سوچنا چاہیے۔کہ ملک لوٹ کر آخر کچھ حاصل بھی کیا تو وہ دولت جو مرتے وقت جنازے کیلئے بیس آدمیوں سے زیادہ مہیا نہ کر سکی۔پرکھیے،ذہن استعمال کریں،کیا یہ ہماری اشرافیہ کیلئے بھی سب سے کڑوا سوال نہیں ہے؟

راؤ منظر حیات